ڈاکٹر محمد یوسف خشک
استاد وصدر شعبہ اردو، شاہ لطیف یونیورسٹی،خیرپور، سندھ

اُردو سندھی ادباء کی مشترکہ تحریکیں

Dr Muhammad Yousuf Khushk

Head Department of Urdu,

Shah Abdul Latif University, Khairpur

Common Movements of Urdu and Sindhi Writers

Literature is the reflection of society and it brings about a change in the world. In this regard, all the social, economical, political and r religious movements have close relation with Literature, in general. In the past and in the modern world all the movements of the East and the West not only influenced literature but also got benefit from literature . The movements and literature are part and parcel. In this connection Animal Rights Movement , Anti nuclear movement , disability rights movement, Landless peoples movement, Environmental Movement, women's freedom movement, Labor movement, or student movement etc can be viewed as example. Literature always supports all the movements literature of all times plays a very important role because it is an agent of change . The writers of Urdu and Sindhi Languages remain in touch with the all movements of India and Pakistan . This paper discusses those movements which has played a significant role in bringing the writers and literature of both languages together.

معاشرے میں تبدیلی کا اجتماعی رجحان، تحریک کو جنم دیتا ہے اور ادب معاشرے کا عکاس ہے اس لیے معاشرے کی تمام سیاسی، سماجی، اقتصادی، مذہبی تحریکوں اور ادب کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ دور قدیم وجدید میں مشرق ومغرب کی تمام تحریکات نے نہ صرف ادب کو متاثر کیا ہے بلکہ ہر دور کی تحریکات بھی چمن ادب سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکی ہیں۔ اس سلسلے میں دنیا کے ہر دور اور ہر خطے میں چلنے والی خالص ادبی تحریکوں کے علاوہ Animal rights movement، Anti nuclear movement، Disability rights movement، Landless peoples

movment،انوائرمینٹل مومینٹ ہو،تعلیمی، عورتوں کی آزادی، بے روزگاری یاطلبا کی تحریکیں وغیرہ ہوں ان سب کا اور ادب کا آپس میں گہرا تعلق رہا ہے۔ادب ہر دور کی تحاریک کے لیے دوطرح سے معاون رہا ہے۔ایک تو ماضی میں لکھا جانے والا ادب جس کا براہ راست اس تحریک سے تعلق نہیں ہوتا لیکن پھر بھی تحریک کو اس کے حصول مقاصد کے لیے تقویت فراہم کرتا ہے دوسرا اس تحریک سے براہ راست وابستہ ادبا کی تحریریں۔ہندوستان و پاکستان میں چلنے والی تمام تحریکوں سے دونوں زبانوں (سندھی واردو) کے ادیب کسی نہ کسی طرح وابستہ رہے ہیں لیکن اس مقالے میں صرف ان تحریکوں کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کی بدولت دونوں زبانوں کے ادب وادیب ایک دوسرے کے قریب آئے ہیں۔

اصلاحی تحریک / تعلیمی تحریک: ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب کی وفات کے بعد مسلمان حکمرانوں کو محلاتی سازشوں نے سکھ کا سانس نہیں لینے دیا۔یوں تو اورنگزیب خود بھی سازش کے نتیجے میں حکمران بنے تھے لیکن اس کے بعد انھوں نے دانشمندی کے ساتھ پہلے اپنی تمام رکاوٹوں کو جڑ سے ختم کرنے، انتظامی امور کو سنبھالنے اور نیک نیتی وایمانداری سے رعایا کی سرپرستی کرنے کی جو متحدہ ہندوستان میں بطور مسلمان بادشاہ مثال قائم کی وہ ان کی ذات پر ختم ہوئی۔بعد کی نسلیں شروع میں محلاتی سازشوں اور وقت گذرنے سے محلاتی کے ساتھ بیرونی سازشوں کا شکار بھی بننا شروع ہوئیں۔آہستہ آہستہ بے انصافی، بے روزگاری، بدحالی میں اضافے کی وجہ سے حکومت عوام کا اعتماد کھوتی چلے گئی اور ڈیڑھ سو سال بعد ۱۸۵۷ء میں بالاخر ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔معاشی طور پر عوام کی حالت پہلے ہی خراب تھی تو اوپر سے جنگ کی پوری ذمے داری مسلمانوں کے سر پر ڈال کر ان کو پھانسیاں، قید و بند، جائیدادیں ضبط کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور دوسری طرف سرکاری گزٹ میں مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے دور رکھنے کا اعلان ہوا۔اسی اجتماعی مایوسی کے ماحول میں سرسید احمد خان ہی کی شخصیت تھی جو مسلمانوں کے رہبر کی حیثیت سے سامنے آئی۔سرسید قومی کردار اور قومی زندگی کی بقا کو اپنا مقصد حیات بنا کر، سیاسی، سماجی، تعلیمی اور اقتصادی میدان میں باقاعدہ سرگرم عمل ہوئے۔وہ اچھی طرح یہ جانتے تھے کہ قوم کی بقا کے لیے تعلیم بنیادی ضرورت ہے، اور مغربی قوم (انگریز) سے گھل مل جانے کے لیے اور ان کو سمجھنے لیے مغربی علوم وفنون کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔اسی سوچ کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے مدرسہ غازی پور میں قائم کیا، ایک سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی (جس کو بعد میں علیگڑھ لے آئے) جس نے اس تحریک کو وہی تقویت فراہم کی جو سرسید کی خواہش تھی۔سرسید کے ہم خیالوں میں حالی، شبلی، نذیر احمد، آزاد، مولوی ذکاءاللہ اور مولوی چراغ علی وغیرہ نمایاں تھے انھوں نے اس اصلاحی تحریک کی بدولت ایسے ادبی وعلمی کارنامے سرانجام دیے جنھوں نے برصغیر کے تمام صوبوں کے مسلمانوں کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

سرسید کی اس تعلیمی تحریک کے زیر اثر سندھ میں حسن علی افندی نے یہاں کے مسلمانوں کو جدید تعلیم اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب کیا۔اس سلسلے میں حسن علی افندی نے علی گڑھ میں سرسید اور ان کے رفقائے سے ملاقات کے بعد ۱۴ اگست ۱۸۸۵ء میں سندھ مدرستہ الاسلام کی بنیاد رکھی جس نے سندھ کے مسلمانوں کو مغربی تعلیم کے توسط سے بیدار کرنے میں اور تعلیمی تحریک کی معرفت یہاں کی صورتحال کو تبدیل کرنے میں اہم کرادار ادا کیا۔(جس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے قائداعظم محمد علی جناح جیسے عظیم قومی رہبر نے بھی اس مدرسے ''سندھ مدرستہ الاسلام'' سے تعلیم حاصل کی (۱)۔اسی طرح افندی کے ہم خیال، سیدالہندوشاہ نے نوشہروفیروز میں انگریزی مدرسے کی بنیاد رکھی جہاں سے انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی کے نامور محقق شمس العلماء عمر بن محمد داؤد پوتہ نے بھی بنیادی تعلیم حاصل کی۔تیسرا اسی طرح کا اسکول غلام نبی نے، پتھورو میں کھولا جو بعد میں میرپورخاص منتقل ہوا، شمس الدین بلبل نے میہڑ میں مدرستہ الاسلام قائم کیا جو بعد میں نوشہرو کے مدرسے کی طرح مدرسہ ہائی اسکول بن گیا۔جس طرح سرسید کے ساتھی مولانا الطاف حسین حالی نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے ''مسدس حالی'' تحریر کی اور نذیر احمد نے نثر کے میدان میں قلمی جوہر دکھائے اسی طرح حسن علی افندی کے ساتھی مولوی

اللہ بخش ابوجھو نے ''مسدس ابوجھو'' تحریر کی اور رئیس شمس الدین بلبل نے ''رجیما لطیف'' تحریر کی۔ سرسید کے دیگر رفقاء کار علامہ شبلی نعمانی، نذیر احمد، وقار الملک، نواب محسن الملک، مولوی ذکاء اللہ وغیرہ کی طرح مولانا حسن علی افندی کے مشن کو کامیاب کرنے کے لیے مخدوم الشعرا الحاج محمود خادم لاڑکانوی، مرزا قلیچ بیگ، میر عبدالحسین سانگی اور شمس الدین بلبل وغیرہ کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں۔

سندھ میں سرسید کی تعلیمی تحریک نے خوب اثر پیدا کیا، سرسید نے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی تو اس کے زیر اثر حسن علی افندی نے سندھ محمدن ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی سرسید کے تہذیب الاخلاق جاری کیا تو اسی سے متاثر ہو کر حسن علی افندی نے ۱۸۹۹ء میں ہفت روزہ اخبار معاون کا اجرا کیا۔ اس کی ادارت کے فرائض شمس الدین بلبل کے سپرد کیے۔ بلبل 'معاون' کے علاوہ مختلف اخبارات 'کراچی گزیٹ'، خیر خواہ لاڑکانہ'، 'مسافر حیدرآباد'، 'الحق' اور 'آفتاب سکھر' کے بھی مدیر رہے۔ اسی طرح مختلف اصناف ادب اور موضوعات پر سندھی ادبا کی طبع آزمائی کے ساتھ سندھ سے رسائل (الاخوان المسلمون ۱۸۹۹ء، ہدایت الاخوان ۱۹۰۰ء، تحفہ احباب ۱۹۰۴ء، بہار الاخلاق ۱۹۰۵ء، جعفر زٹلی ۱۹۱۰ء، ماہ نامہ الاسلام ۱۹۱۳ء، صحیفہ قادریہ ۱۹۱۶ء) کے اجرا کی شاندار مثالیں قائم ہوئیں۔ [۲] جس طرح سرسید کے مخالفین نے رکاوٹیں کھڑی کرنے کے سلسلے میں کوئی کثر نہیں چھوڑی تھی اسی طرح یہاں پر حسن علی افندی کو بھی مولویوں کی خوب مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ [۳] اس تحریک کے زیر اثر اردو ادبا و شعرا کی طرح سندھی ادبا و شعرا نے بھی جدوجہد آزادی جاری رکھنے اور مسلمانوں میں سیاسی سماجی اقتصادی و تعلیمی ترقی و عروج کا احساس پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

تحریک خلافت:

یورپ کی استعماری طاقتوں خصوصاً انگریزوں نے ترکوں کے خلاف جو سازشیں شروع کی تھیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے خلافت اور حرمین شریفین کے تحفظ کے سلسلے میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا خلافت کمیٹی قائم کی جس کا پہلا اجلاس ۲۴ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں زیر صدارت مولوی فضل الحق منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بہت سے ہندو بھی شریک ہوئے۔ سندھ کے نامور سیاسی لیڈر غلام محمد بھرگڑی نے تحریک خلافت کو بڑی تقویت پہنچائی اور بمبئی میں ۱۹۲۰ء میں آل انڈیا خلافت کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ اسی سال لاڑکانہ میں آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت پیر صاحب جھنڈو (Pir of Jhando) (سندھ) نے کی اس کانفرنس میں مولانا شوکت علی، مولانا عبدالباری اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی شرکت کی۔ [۴]

سب سے پہلے تحریک خلافت نے علما و شعرا کو متاثر کیا اس سے دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے اخوت کا جذبہ پیدا ہوا۔ سندھی و اردو زبان کے شعرا ترکی کے حق میں اور انگریزوں کے لیے نفرت کا اظہار اور مسلمانوں میں بیداری کے لیے شعر کہنے لگے، اس سلسلے میں مولانا تاج محمد امروٹی، حبیب اللہ خادم، محمد آدم اور قاضی غلام عمر وغیرہ نے خلافت تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے نظمیں لکھیں۔ سندھی زبان کے باکمال شعرا مثلاً محمد ہاشم مخلص، نور محمد نظامانی اور حکیم فتح محمد سیوہانی نے قومی نظمیں لکھ کر مسلمانوں کو بیدار کرنے کی کوششیں کیں۔ تحریک خلافت کو کامیاب کرنے کے لیے ۱۹۲۰ء میں حاجی عبداللہ ہارون اور شیخ عبدالمجید سندھی کی کوششوں سے ''روزنامہ عبدالوحید'' جاری ہوا جو تحریک خلافت کا ترجمان تھا۔ اس تحریک کو روکنے کے لیے انگریزوں نے چند زمینداروں، جاگیرداروں کی مدد سے قومی تحریک کے خلاف ہر تحصیل پر ''امن سبھائیں'' قائم کیں جن کے ذریعے انگریز حکومت سے وفاداری کا درس دیا جانے لگا۔ اس سلسلے میں 'سچائی نامہ' اخبار بھی جاری ہوا۔ خواہ سیاسی، مذہبی یا ادبی رنگ میں تحریک خلافت، تحریک ہجرت اور ترکی کے خلاف مغربی استعمار کی تمام ریشہ دوانیوں کے ایام میں سندھی و اردو کے شعرا و ادبا نے عملاً حصہ لیا اور قربانیاں پیش کیں۔

ترقی پسند تحریک:

اردو ادب کی زمین میں یہ تحریک اپنے پس منظر میں بڑے طویل عرصے سے موجود تھی، اس سوچ و فکری زاویے میں تیزی بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں آنا شروع ہوئی جو بالآخر تیسری دہائی کے دوسرے نصف کی ابتدا میں ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' کے قیام سے منظر عام پر ابھر آئی۔ ترقی پسند تحریک نے ادب کو باقائدہ عوامی مسائل کی نشاندہی اور مسائل کے حل کا وسیلہ قرار دے کر عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے عوامی امنگوں کا ترجمان بنا دیا۔ ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس لکھنو میں منشی پریم چند کی زیر صدارت منعقد ہوئی، ادب اور ادیب نے عوامی زبان بن کر دنیا میں جانبدارنہ رویوں، رجحانات، ہونے والی زیادتیوں اور ناانصافیوں کو اپنا باقاعدہ موضوع بنایا اور طوفانی تیزی سے اس تحریک نے اردو کے تمام دبستانوں کو اپنے قریب کر لیا۔ جس سے اردو زبان و ادب کو بہت تقویت فراہم ہوئی۔

جس طرح ترقی پسند تحریک نے اردو ادب کے انداز و مزاج کو بدل ڈالا اسی طرح سندھی ادب کو بھی اپنا پرانا ذائقہ بحال کروایا۔ درحقیقت ترقی پسندیت کا حقیقت پسندانہ انداز، سندھی ادب کی ابتدا میں صدیوں پہلے ملتا ہے، جس کا منہ بولتا ثبوت سندھ کی قدیم داستانیں ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ فارسی زبان کے تخیلی ادب کے زیر اثر سندھی کا یہ انداز دب چکا تھا جو کہ ترقی پسند تحریک کے روپ میں یورپی، بنگالی اور اردو ادب کے توسط سے کئی نئے اجزا لے کر جدت کے ساتھ سر میدان آیا۔

سندھی ادب کے ترقی پسند مخالف گروپ میں چند اشخاص تو اس حد تک جارحانہ رہے کہ ترقی پسند ادیبوں کو کافر، دہریہ، پاکستان مخالف بھارتی ایجنٹ قرار دیا۔ اس مخالفت کی وجہ سے شیخ ایاز کی تحریر ''ڀونر ڀري آڪاس'' پر ۱۹۶۴ء میں ''ڪلهي پاتم ڪينرو'' اور ''ڪاڪ ڪڪوريا ڪاپڙي'' کو ۱۹۶۵ء میں اسلام کے خلاف، پاکستان دشمنی کے مواد کی حامل و رعریانی و فحاشی کی مبلغ قرار دے کر پابندی عائد کر دی گئی۔

حیدر آباد کے تینوں اخبارات، عبرت، خادم وطن اور نوائے سندھ نے اگست ۱۹۶۵ء میں ایک مشترکہ ایڈیٹوریل تحریر کیا جس میں ترقی پسند مخالف گروپ کی حرکات کو سندھ دشمن قرار دیا گیا۔ اس طرح ترقی پسند ادب کے لکھاریوں کو کفر قرار دیے جانے پر گرامی مرحوم کی تحریر بعنوان ''مشرقی شاعری جا فنی قدر ۽ رجحانات'' بھی قابل ذکر ہے جس میں انھوں نے سندھی، اردو، فارسی اور عربی ادب میں سے شاعری کی مثالیں دے کر مقالہ تحریر کیا، آپ لکھتے ہیں: ''ترقی پسند مخالف گروپ الزام لگاتے وقت مشرقی شاعری کی نزاکتوں، مزاج اور فنی رجحانات و لوازمات سے بے خبر تھا'' اس مضمون میں انھوں نے مثالوں کی معرفت واضح کیا کہ ترقی پسند مخالف گروپ، شیخ ایاز کی شاعری کے جن حصوں پر اعتراض کر رہے ہیں وہ تو اردو، فارسی اور عربی کلاسیکی شاعری کی گستاخی اور جحت و بے حجابی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اس حساب سے تو فارسی و اردو کے شعرا، حافظ، سعدی، عمر خیام، غالب، ذوق، سودا، اقبال، جوش وغیرہ تمام زندیق کافر، ملحد اور واجب القتل تھے۔

سندھی زبان میں چلنے والی اس تحریری جنگ میں ترقی پسند مخالف گروپ بالکل پیچھے نہیں ہٹے، نہ صرف انھوں نے اپنی کاروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ اس کا دائرہ بڑھاتے ہوئے اردو میں اپنے مضامین تحریر کیے جس کی وجہ سے دونوں زبانوں، اردو و سندھی کے ترقی پسند اور مخالف گروپ اپنے اپنے ہم خیال دوستوں کے ساتھ مل گئے اور قلمی کاروائیوں میں بھی ایک دوسرے کی مدد کرنے لگے۔ اسی زمانے میں ترقی پسند مخالف گروپ کے مضامین روزنامہ حریت کراچی، اور نوائے وقت و ہفتوار چٹان لاہور میں شایع ہوتے رہتے تھے اور سندھی زبان کے ترقی پسند ادیب بھی ان کے جوابات اردو زبان اور پریس کی معرفت دیتے رہے۔

جس طرح ۱۹۴۴ء میں ایک کتاب اردو زبان کے ترقی پسند ادیبوں کے خلاف ''مداوا'' کے نام سے شایع ہوئی تھی

جس کے مولف فرقت کاکوروی تھے اور لکھنے والوں میں مولانا اختر علی تلہری، مسعود حسن رضوی، نیاز فتح پوری، عندلیب شادانی وغیرہ شامل تھے۔ نظم ونثر کے اس مجموعے میں سنجیدہ مضامین اور طنزیہ نظمیں شامل تھیں جس میں آزاد نظم کو اردو شاعری کے خلاف بتایا گیا تھا اور ن م راشد، میراجی، ڈاکٹر تاثیر، فیض احمد فیض اور مخمور جالندھری کی نظموں کو ہدف بنایا گیا تھا۔ ''مداوا'' کی اشاعت پر محمد حسن عسکری نے جدید شاعری کی حمایت میں قسط وار ''جھلکیاں'' میں اظہار خیال کیا اور جدید تنقیدی اصولوں سے یہ ثابت کیا کہ، تخلیقی عمل کے لیے کسی ایک بندھے ٹکے اسلوب یا ہیئت پر زور دینا ادب کے بنیادی اصولوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے عسکری نے اپنے مخصوص طرز میں ''مداوا'' کے مضمون نگاروں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ مضمون بہت دنوں تک ادبی حلقوں میں ہلچل کا باعث بنا رہا۔ (۵)

اسی طرح سندھی ادب میں ترقی پسند مخالف گروپ کے رشید احمد لاشاری نے ''ادب کی آڑ میں'' نامی کتاب ترقی پسند گروپ کے ممبران کی مخالفت میں تحریر کروا کے شایع کروائی تھی جس کے جواب میں ترقی پسند گروپ کے گرامی صاحب نے مکمل بحث اور حوالہ جات کی مدد سے ''ادب کے نام پر'' کتاب تحریر کی (آپ خود سندھی ادبی بورڈ کے ملازم تھے اور اپنے ایک ہم سفر محمد قاسم پتھر سندھی کے نام سے شایع کروائی تھی۔ (۶) نہ صرف انداز بیان اور رجحانات دونوں زبانوں کے دونوں گروپوں کے درمیان مشترکہ تھے بلکہ کبھی کبھی تو نشانے بھی مشترکہ رہے ہے، سندھ میں جب ترقی پسند مخالف گروپ نے ۱۹۶۶ء شیخ ایاز کی نظم ''ہی سنگرام ساموں آنارائن شیام'' جو رسالہ 'روح رہان' میں شایع ہوئی تو اس کی مخالفت میں اردو میں مضامین اور بے نام پمفلٹ شایع ہونا شروع ہوئے، جس سے ایاز کو پاکستان دشمن اور ہندوستان کا ایجنٹ قرار دیا گیا۔ اس کے جواب میں سندھ کے ترقی پسند ادیبوں نے اردو کے ترقی پسند ادیبوں سے مل کر جوابی مضامین تحریر کیے تھے۔ اردو کے ادیبوں میں الیاس عشقی، حمایت علی شاعر، محسن بھوپالی، حسن حمیدی، آفاق صدیقی، نگہت بریلوی اور خالد علیگ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح دونوں زبانوں کے ادبا ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' کے اجلاسوں، کانفرنسوں میں اور مخالف گروپ اپنے ہم خیال حلقے کے کانفرنسوں واجلاسوں میں نہ صرف شریک رہے بلکہ تحریری واشاعتی سلسلے میں بھی ساتھ ساتھ رہتے چلے آئے ہیں۔

مذہبی تحریکیں:

مذہبی تحریکیں جو کسی بھی مذہب یا گروہ سے تعلق رکھتی ہوں اس مذہب وگروہ کی پیروی کرنے والے افراد اپنی اپنی زبان میں اس کی تبلیغ کرتے ہوئے ادب کی خدمت کر جاتے ہیں۔ یہاں ہمارا موضوع خالص ادبی تحریکیں ہیں لیکن ان مذہبی تحریکوں میں بڑے بڑے ادیبوں ل نے نمایاں کردار ادا کیا۔ مثلاً مذہبی تحریک کے حوالے سے صوفیائے کرام کی تحریک کی بات کی جائے تو اس تحریک نے سندھی اردو کے ابتدائی زمانے میں نئے اسالیب بیان کو فروغ دیا اور مختلف مقامی بولیوں کے ادغام سے ان کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کیا۔ صوفیا چونکہ برصغیر کے تمام علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اس لیے اردو اور سندھی زبان میں ہندوستان کے ہر خطے کے الفاظ غیر محسوس انداز میں شامل ہوتے چلے گئے۔ صوفیا کی تحریک نے ہندوستانی مزاج کو عربی اور فارسی کے تہذیبی لہجے (اولاً الفاظ کے استعمال سے اور ثانیاً تراجم کے ذریعے) سے آشنا کیا۔ مجموعی طور پر اس تحریک نے دونوں زبانوں کے نشوونما میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے اور اس کی اساس پر دونوں زبانوں نے ارتقا کی لاتعداد منازل طے کی ہیں۔ صوفیا کے یہاں ادب کی تخلیق مقصود بالذات نظر نہیں آتی، لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ صوفیا کے نظم ونثر کے نمونے داخلی پر توانا ہیں اور ان میں خلوص اور تاثیر کی کمی نظر نہیں آتی، ان ہی کی بدولت بول چال کی زبان ترقی کر کے قلمی روپ اختیار کرتی ہے۔

انگریزوں کے دور میں مذہبی تحریکوں کو تیز کرنے میں پریس کی سہولت نے آسانیاں فراہم کیں۔ علماء نے دین کے تبلیغ کے لیے اس کی اشاعت کا سلسلہ اخبارات وکتب کی معرفت شروع کیا۔ مقصد کی حاصلات کے لیے اردو کے ساتھ سندھی

لکھاریوں نے بھی اپنے قلم کی جولانیاں پیش کیں۔ جیسے ۱۸۹۹ء پیر ابو القاسم مظہر الدین، مولانا تاج محمد امروٹی نے ماہنامہ رسائل سے مولانا عبید اللہ سندھی کے فکر کو عام کرنا شروع کیا انگریزوں کے خلاف ماحول پیدا کرنے کے سلسلے میں، محمد ہاشم مخلص، جبکہ اسلام اور اخلاق کی معاشرے میں ضرورت واہمیت پر محمد صالح بھٹی، حکیم فتح محمد سیوہانی، حکیم محمد صادق رانیپوری کی کاوشیں (۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۸ء) قابل ذکر ہیں۔ تقریباً اسی زمانے میں قادیانی فتنہ شروع ہوا تو اسی زمانے میں قادیانی تحریک کے خلاف مضامین بھی شایع ہوئے۔ اسی طرح وہابی تحریک کی ابتدا ہوئی تو علما میں سخت اختلاف ہوا تحریری سلسلہ دونوں طرف سے جاری رہا۔ اس طرح ہندوؤں کی طرف سے شدھی اور سنگھٹن تحریک شروع ہوئیں تو مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ سال ۱۹۲۹ء میں شادی کے متعلق شاردھا ایکٹ پاس ہوا تو مسلمانوں نے اس ایکٹ کو صریحاً اسلامی قانون میں بے جا دست اندازی مانا اور اس ایکٹ کے خلاف تحریک شروع کی، ہندو ادیبوں نے اس کی حمایت کی اور مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی یا اسی طرح ہندو ادیبوں نے جب جب سندھی یا اردو زبان میں اسلام کے خلاف تحریر کرنا شروع کیا تب مسلمان ادیبوں نے سندھی و اردو میں اپنے مذہب کی حمایت میں انھیں جوابات دیے۔ یہ حملے صرف مضمون نویسی کی صنف تک محدود نہیں تھے لیکن ڈرامہ، ناول، افسانے کی صنف میں مواد شایع ہوتا رہا۔ اس طرح ہر مذہب کی طرف سے اردو سندھی دونوں زبانوں کے ادب میں بڑا ذخیرہ جمع ہوتا رہا جس سے دونوں زبانوں کے ادب کے تقویت ملتی رہی ہے۔ مذہبی تحریکوں کی طرح کا حال سیاسی تحریکوں کا بھی رہا ہے، جو سیاست زبان کی بنیاد پر نہیں نظریے کی بنیاد پر ہوئی ہے تو اس کا نشانہ بیرونی طاقتیں رہیں ہوں یا آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت، دونوں صورتوں میں ادب وزبان کو وسعت نصیب ہوئی ہے اس سلسلے میں مثلاً حر تحریک، ریشمی رومال تحریک، ہوم رول تحریک، خاکسار تحریک یا امن سبھائی تحریک وغیرہ کی حمایت و مخالفت نے دونوں زبانوں کے ادب کو وسعت بخشی۔

مذہبی تشدد آمیز تعلیم کے خلاف تحریک:

دنیا کے تمام مذاہب آئین زندگی ہیں جو وقت اور حالات کے مطابق دنیا کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے اور بہتر زندگی کے اصول فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے آئے ہیں۔ لیکن یہ راہنمائی کی باگ ڈور جب اس کے کم علم مبلغ کے ہاتھوں میں آجائے تو وہ دوران تبلیغ پیغام حق کے ساتھ اپنی تاویلات ملا کر نہ صرف اس پورے ذخیرے کو دین قرار دے دیتے ہیں بلکہ عوام کو یہ خود بے عمل لوگ سختی سے پابند کرنے کی کوشش بھی کرتے ہوئے آئے ہیں ایسا دنیا کے تمام مذاہب کے ساتھ ہوتا ہوا آیا ہے اور ان کے اس تشدد آمیز رویے کے خلاف ہر دور میں ردعمل بھی سامنے آتا رہا ہے۔ اسی سلسلے میں مولانا الطاف حسین حالی ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں لکھتے ہیں ''اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذہب اور اخلاق کے علم برداروں نے انسانی فطرت کے کئی خارجی و داخلی نا قابل برداشت عقوبتیں مسلط کر دیں اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو مقید کر دیا تھا، اس لیے خمریات کا فارسی شاعری میں آغاز کیا گیا، مے وجام، ساغر و مینا، میکدے اور ساقی کے پردے میں تنقید شروع کی گئی۔ خرد و جنون، ہوش و مستی، رندی و بے باکی تو کیا شریعت اور حقیقت، کفر و ایمان کی بحثیں چھڑ گئیں اور لامذہب کی کھلے عام مدح کرنا شروع کر دی گئی''۔ یہ مخالفت اکثر زبانوں میں تحریری شکل میں موجود ہے۔ اس وقت ہمارا موضوع سندھی و اردو ادب کی مشترکہ تحریکیں ہیں دونوں زبانوں میں جس طرح مذہبی تشدد آمیز تعلیم کی پاسداری کم علم شخصیات کرتے ہوئی آئی ہیں اسی طرح مذہبی تشدد آمیز تعلیم کے خلاف تحریک کی آبیاری بھی ہر دور میں تمام اہل ایمان شعرا کرتے رہے ہیں ان کا ردعمل اور شدتِ تاثر اس مذہبی تشدد آمیز تعلیم کے خلاف تھا جس کے علم بردار ایسے مذہبی آدمی تھے جن کا علم، عقل و سوچ نہ صرف محدود تھی بلکہ ان کے قول و عمل میں بھی فرق رہا اس وجہ سے یہ تحریک زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے اور ہر دور میں موجود رہی ہے۔ اردو و سندھی سے چند نامور شعرا کی مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

نکو کم کفار سين نکا مسلماني من
نکادل دوزخ ڏي نکو بهشت گهرن
ايا ائين چون نه پرين ڪجو پانهنجو
(شاہ لطیف)

ترجمہ نہ کفر سے تعلق نہ مسلمانی کے طلبگار
نہ دوزخ سے دل لگی نہ چاہت بہشت
با ادب عرضدار، ہیں طالب تیری اپنائیت کے

میر کے دین و مذہب کو ہو پوچھتے کیا کہ ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا (میر)

مذهبن ملڪ ۾ ماڻهو منجهايا
پيري مريدي ويتر پلايا
اوڏو ڪين آيا عقل وارا عشق جي
(سچل سرمست)

ترجمہ: مذاہب نے ملک میں انسان الجھائے
پیری مریدی نے اور الجھائے
سامنے نہ آئے کبھی عقل والے عشق کے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے (غالب)

زما بر صوفی و ملا سلامی، کہ پیغام، محمد خداوند مارا
ولے تاویل او در حیرت انداخت خدا جبرئیل و مصطفیٰ را
(علامہ اقبال)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ یہ لوگ مذہب کے مخالف نہیں تھے لیکن انھوں نے کم علم بناوٹی دینداروں کی مکاری و عیاری کے پردے فاش کرتے ہوئے ان کے کفر و ایمان دیر و کعبہ دوزخ و بہشت اور حق تعالیٰ پر نکتہ چینی کی تا کہ حقیقی مذہب اور حقیقتیں سامنے آسکیں۔

پاکستان تحریک اور تحفظ وطن تحریک:

پاکستان تحریک ہو یا تحفظ پاکستان تحریک، دونوں زبانوں کے ادیب مشترکہ طور پر عملاً شامل رہے ہیں۔ جس طرح علامہ اقبال نے تصور پاکستان پیش کیا بالکل اسی طرح سندھی زبان کے شاعر شمس الدین بلبل نے بھی ''ہوم رول تحریک'' کے زمانے میں ایک کتاب جام جم تحریر کی تھی اور اس میں ہند کے سیاسی پس منظر، ہندو کی انگریز پرستی اور مسلمانوں کی حق تلفی پر مفید معلومات افزا ریکارڈ پیش کر کے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ اپنے حقوق کے لیے علیحدہ تنظیم بنا کر جدو جہد کریں ''جام جم'' کے صفحے ۶۵ پر لکھتے ہیں:

''گرگوں کے ساتھ بکریاں مل کر حق نہ مانگیں، شاہینوں کے ساتھ چڑیا نہ اڑیں ہماری طاقت ہماری قومیت سب سے اونچی ہونی چاہئیے، ہندوؤں سے صد بار زیادہ ہمارے پولیٹکل حقوق ہونے چاہئیں۔ وہ ہمیشہ

ہمارے محکوم ہیں انگریز کی بدولت ہمارے حاکم بنے ہیں، مزید حکمرانی چاہتے ہیں۔ ہمارے حقوق ان سے زیادہ ہونے چاہئیں لیکن علیحدہ ان کے ساتھ نہیں۔ (۷)

۱۹۴۷ء سے پہلے سندھی ادب دو قومی نظریے پر مبنی مختلف تحریکوں کے سائے میں نشونما پا رہا تھا ایک تحریک ہندوؤں کی تھی، جس کے تحت سندھی ادب سنسکرت، اور ہندی الفاظ و محاوروں سے آراستہ ہو رہا تھا دوسری طرف مسلمانوں کی انجمنیں تھیں جو سندھی ادب کو اسلامی نظریات کے تحت عربی و فارسی الفاظ سے آراستہ کر رہی تھیں۔ بہر حال ۱۹۴۷ء کے بعد سندھ کو سندھی زبان و ادب کی ترقی کے لیے وسیع میدان ملا ادبی انجمنوں کے علاوہ سرکاری وغیر سرکاری اشاعتی و مطبوعاتی اداروں پریس اور اخبارات ورسائل کا اجرا ہوا۔

۱۹۴۷ء حصول آزادی کے بعد سندھی زبان کے جو بزرگ تخلیقار، مورخین، محققین و ناقدین ادب، پاکستان کے حصے میں آئے ان میں مولانا دین محمد وفائی، مولانا دین محمد ادیب، ڈاکٹر داؤد پوتا، مولانا عبدالواحد سندھی، محمد بخش واصف، اے کے بروہی، عثمان علی انصاری، محمد اسماعیل عرسانی، میراں محمد شاہ ثانی، محمد صدیق مسافر، مولائی شیدائی، محمد صدیق ساغر، لطف اللہ بدوی، پروفیسر علی نواز جتوئی، احسن کربلائی، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، عطا محمد حامی، علی محمد راشدی، لعل محمد لعل، محمد ابراہیم جویو، حسام الدین راشدی، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، محبوب علی چنا، عبداللہ عبد، ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل، ڈاکٹر غلام علی الانہ، رشید احمد لاشاری، مرحوم کریم بخش خالد، ایاز قادری، قیوم صائب اور منظور نقوی وغیرہ وہ اہل قلم ہیں جنھوں نے سندھی زبان وادب کو وسعت و تازگی بخشی۔ قومی حوالے سے برسرعمل رہنے والے سندھی ادباء میں ڈاکٹر ابراہیم خلیل، مخدوم طالب المولیٰ، غلام احمد نظامانی، حافظ محمد احسن، اختر ہالائی، لطف اللہ بدوی، عطا محمد حامی، مخدوم محمد صالح بھٹی، سرشار عقیلی، رشید احمد لاشاری، شیخ عبدالرزاق راز، محمد خان غنی، منظور نقوی، مظفر حسین جوش، سلیم ہالائی، انور ہالائی، احسن کربلائی، عبدالرحیم گدائی، سرور علی سرور، عبداللہ خواب، عبداللہ عبد وغیرہ شامل ہیں، جن کے قومی و ملی نغمات و تحریریں ایک دور کے قومی نقطہ نظر کی عکاسی کرنے کے ساتھ تاریخی فکر لیے ہوئے ہیں۔

۱۹۶۵ء میں جب پاکستان اور ہندوستان کے بیچ حالات ناسازگار ہو کر جنگ کی صورت اختیار کر گئے تو اس وقت مجاہدین و فوج کے ساتھ سندھی وار دو ادباء بھی ملکی تحفظ کے سلسلے میں سرگرم عمل رہے عملاً ایک ''تحفظ وطن تحریک'' کا آغاز کیا گیا۔ اس سلسلے میں کراچی ادیبوں و فنکاروں کا ایک عظیم اجتماع ''انجمن مصنفین پاکستان کراچی ریجن'' کے زیر اہتمام ۱۸ ستمبر ۱۹۶۵ء میں منعقد ہوا جس کی صدارت جوش ملیح آبادی نے کی اس میں سندھی ادیبوں نے بھی شرکت کی، اس عظیم اجتماع میں مندرجہ ذیل قرار دادیں پاس کی گئیں تھیں:

''ادیبوں کی ایک بریگیڈ بنائی جائے جس میں رضا کارانہ بھرتی کا انتظام ہو۔ تمام ادیب اپنی آمد کا دس فیصد حصہ قومی و دفاعی فنڈ میں جمع کروائیں۔ اجتماع میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ پانچ ممبران پر مشتمل مصنفین کی ایک جماعت بنائی جائے جو محاذ جنگ پر جا کر مصنفین اور ادیبوں کی جانب سے وطن کے محافظوں اور مجاہدوں کے سامنے اپنے جذبات عقیدت اور ایثار پیش کرے اور ملکی تحفظ کی خاطر مجاہدین جو کچھ کر رہے ہیں انھیں خراج تحسین پیش کرے۔

اس موقع پر جمیل الدین عالی سیکریٹری جنرل گلڈ نے اعلان کیا کہ محاذ جنگ پر جانے والی جماعت کا خرچہ گلڈ کی طرف سے دیا جائیگا۔ ادیبوں کے اس اجتماع میں یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ گلڈ کے ذریعے ملکی تحفظ کی خاطر مختلف علاقوں اور شہروں کے شعرا و ادباء کے بیچ تعلقات پیدا کرنے کے لیے جو انفرادی کوششیں کی جا رہی تھیں ان کو اکٹھا کیا جائے، نشرو اشاعت کو تیز کر کے، اس سلسلے کو مکمل منظم اور کارآمد بنایا جائے۔ اس سلسلے کے لیے جو تین ممبر سلیکٹ ہوئے ان میں شاہد احمد دہلوی، پیر حسام الدین راشدی اور غلام عباس شامل تھے، ان کو مزید چھ ممبران شامل کرنے کی اجازت بھی دی گئی تھی تاکہ وہ اس

فیصلے کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ اس سلسلے میں ڈرامہ پارٹی بھی ترتیب دی گئی تھی جس کے ذمے حب الوطنی کے موضوع پر ڈرامے تحریر و ترتیب دلوا کر اسٹیج کروانا تھا۔

ہمارے معاشرے میں قومی و بین الاقوامی سیاسی، سماجی، اقتصادی مسائل اپنے مختلف رنگوں میں بھرپور قوت کے ساتھ منظر عام پر آتے رہے ہیں اور ان کے خلاف دونوں زبانوں کے ادبا کی تحریروں میں بیک وقت یکساں رویے اور رجحانات ملتے ہیں لیکن بھرپور مشترکہ ادبی تحریک سرمیدان نہیں آئی ہے، جس کی کئی ساری وجوہات ہیں۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے جس پر پھر انشاء اللہ کسی اور موقعے پر علیحدہ مضمون پیش کیا جائیگا۔

حوالہ جات

۱۔ قائداعظم جو وطن کراچي، محمد يوسف عطار، سنڌيڪار عيسي نظاماني، نئين زندگي حيدرآباد، سيپٽمبر۱۹۶۶ء، ص ۳۲۔

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مضمون سرسید کی علمی ادبی تحریک کے سندھ اور سندھی ادب پر اثرات، ڈاکٹر محمد یوسف خشک، جرنل آف ریسرچ، (فیکلٹی آف لینگویجز اینڈ اسلامک اسٹڈیز) بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، والیوم ۳، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۷۔

۳۔ تحريڪ آزادي ۾ سنڌ جو حصو، ضياء الدين، بلبل نئين زندگي حيدرآباد، سيپٽمبر۱۹۶۶ء، ص۲۸۔

۴۔ تاریخ سندھ (جلد دوم) اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۱۷۹۔

۵۔ اردو میں ترقی پسند ادب تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۷۹ء، ص ۷۲

۶۔ ترقی پسند ادب (دستاویزات) گولڈن جوبلی کانفرنس، کراچی ۱۹۸۶ء، ص ۲۸۔

۷۔ جام جم، شمس الدین بلبل۔ مرتب غلام محمد گرامی، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، ۱۹۷۷ء ص ۵۶۔

دیگر معاون کتب و مقالات:

۱۔ حیات جاوید، مولانا الطاف حسین حالی، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور۔

۱۔ اردو ادب کی تحریکیں: ڈاکٹر انور سدید، انجمن ترقی اردو پاکستان۔

۲۔ سرسید احمد اور زندگی کا نیا شعور، ممتاز حسین جونپوری، مشمولہ العلم کراچی سلور جوبلی نمبر، ۱۹۷۵ء۔

۳۔ تذڪره لطفي، جلد ٽيون، س ن

۴۔ تحريڪ آزادي ۾ سنڌ جا آثار، پير الاهي بخش مرحوم پير الاهي بخش مرحوم، نئين زندگي حيدرآباد، سيپٽمبر۱۹۶۵ء۔